رسائل و مسائل

"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش"

(۲)

(از جناب خان بہادر نواب محمد ذکاء اللہ خاں صاحب)

پیٹ اور روٹی کا سوال مولانا کو پنڈت جواہر لال نہرو سے یہ شکایت ہے کہ وہ روٹی کے مسئلہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کارل مارکس کے فلسفہ تاریخ کو وحی آسمانی سمجھتے ہیں۔ جہاں پنڈت جواہر لال نہرو نے اس روٹی کے مسئلہ کو غیر ضروری اہمیت دینے میں افراط سے کام لیا ہے وہاں مولانا مودودی صاحب نے بھی اس مسئلہ کو بہت ہی زیادہ غیر اہم قرار دیکر کچھ کم تفریط سے کام نہیں لیا۔

جہاں کہیں بھی روٹی کمانے اور کسب معاش کا نام آتا ہے وہاں مولانا کے تنفر کی کوئی انتہا نہیں رہتی حالانکہ دراصل مال پیدا کرنے اور اسکی تقسیم کا مسئلہ اس سے بہت زیادہ اہم ہے جتنا کہ مولانا خیال کرتے ہیں۔ جس شخص کے ذہن میں غریب کاشتکاروں، مزدوروں، اور دستکاروں کی فلاکت اور افلاس کی پوری پوری تصویر ہے، جو شخص یہ جانتا ہے کہ یہ سب خدا کے بندے کس طرح مہاجن اور ساہوکار کی اقتصادی غلامی میں گرفتار ہیں، جو شخص اس سے واقف ہے کہ اس جفاکش مخلوق الٰہی کی گاڑھی کمائی کا بڑا حصہ کس طرح اُنکے قرضخواہوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے، وہ شخص اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ یہ روٹی کا مسئلہ اس قدر مبتذل نہیں ہے کہ ہم مسلمانوں کی توجہ کے قابل نہ ہو۔[۱۵] اقتصادی غلامی

---

[۱۵] مجھے اس سخن فہمی پر حیرت ہوتی ہے جس کا اظہار فاضل تنقید نگار نے اپنی تنقید کے اس حصہ میں فرمایا ہے۔ ناظرین براہ کرم "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" حصہ اول (طبع دوم) میں صفحہ ۱۲ تا ۱۴، صفحہ ۱۸، صفحہ ۲۲ تا ۲۳، صفحہ ۹۴ تا ۹۵، اور حصہ دوم میں صفحہ ۳۸ تا ۴۲، صفحہ ۵۲ تا ۵۴، صفحہ ۹۰ تا ۹۳ کو بغور ملاحظہ فرمائیں، اسکے بعد انہیں خود معلوم ہو جائیگا کہ میں نے کیا کہا تھا اور فاضل تنقید نگار نے کیا سمجھا۔ جن باتوں پر اعتراض فرما رہے ہیں وہ میری تحریر میں کہیں موجود نہیں ہیں، بلکہ خود ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں، لہذا ایسے دلائل پر کوئی اظہار خیال کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔

سیاسی غلامی سے کسی طرح کمتر بلا نہیں ہے -

انچہ شیراں راکند روباہ مزاج

احتیاج است احتیاج است احتیاج

مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں تنازع للبقاء کی جنگ جاری ہے اور ایک قوم دوسری قوم کو ہر ممکن طریقہ سے زک دینا چاہتی ہے - ان طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایک قوم دوسری قوم پر اقتصادی تفوق حاصل کرے - لہذا کسی قوم کو معاشی اور اقتصادی غلامی سے آزاد کرانا اس قوم کی سچی خدمت کرنا ہے اور ہر طرح سے قابل قدر اور قابل عزت ہے - جس وقت جس قوم کو جو کمزوری سب سے زیادہ لاحق ہو اس وقت اُس کمزوری کا دور کرنا اس قوم کی سب سے بڑی خدمت ہے[1]۔

مسلمانوں کی اس وقت کی اقتصادی اور معاشی ردی حالت جسکی وجہ سے وہ اغیار کی اقتصادی غلامی میں بڑی حد تک مبتلا ہیں اُنکے نظام قومی کا بہت ہی ہلاکت خیز مرض ہے - اس مرض کے اسباب دریافت کرنا، ان کو دفع کرنیکی تدابیر سوچنا، اور اُن تدابیر کو عملی جامہ پہنانا بہت قابل قدر قومی خدمت ہے - جو شخص اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے اپنی قوت بازو سے بغیر کسی دوسرے کا مرہون منت ہوئے روزی کماتا ہے وہ بہت ہی قابل قدر ہستی ہے - یہ امر بھی واقعہ کے خلاف نہیں ہے کہ تاریخ کے بہت سے انقلابات میں معاشی ظلم کو بہت بڑا دخل رہا ہے - معاشی ظلم سے میری مراد اس ظلم سے ہے جسکی وجہ سے ایک کام کرنے والے کو اسکی محنت کا پورا اجر نہ مل سکے -

ساری دنیا ہے کہ اپنے ملک اور اپنی قوم کو دیگر اقوام کی اقتصادی غلامی سے بچانے کی فکر میں لگی رہتی ہے اور ایسی تدابیر سوچتی ہے اور اُن پر عمل کرتی ہے جنکے ذریعہ سے ان کی قوم کسی دوسری قوم کی دست نگر نہ رہے - مگر ہمارے علما اور بزرگوں کا عجب دتیرہ ہے کہ مسلمانوں کو انکی موجودہ نکبت اور فلاکت سے نجات دلانیکی تدابیر سوچنا اور مسلمانوں

[1] اگر نواب صاحب کا خیال یہ ہے کہ روٹی کی آواز بلند کرکے جو حضرات مسلمانوں کو پکار رہے ہیں وہ در اصل اس "خدمت" کو انجام دینا چاہتے ہیں، تو سوائے اسکے کہ میں اس خوش فہمی پر انکو مبارکباد دوں اور کیا کر سکتا ہوں - لیکن اگر نواب صاحب بھی میری طرح یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آواز بلند کرکے مسلمانوں کی معاشی خستہ حالی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جارہی ہے، تو میں ادب کے ساتھ عرض کرونگا کہ مجھے مخاطب کرکے جو کچھ فرمایا جا رہا ہے یہ بے محل ہے - م

کو ان تدابیر پر عمل کرنیکی ترغیب دینا تو درکنار اگر مسلمان روٹی اور کسب معاش کا نام لیتا ہے تو اسکو پیٹ کا کتا کہہ کر اس کی تذلیل کی جاتی ہے۔ معدہ اور معدہ کو پر کرنیکی فکر کو مولانا مودودی صاحب بہت ہی قابل مذمت تصور فرماتے ہیں۔ معدہ اگرچہ انسان کے جسم کے اعضائے رئیسہ میں سے نہ سہی لیکن اگر معدہ اپنا فعل ٹھیک ٹھیک نہیں کرتا تو جملہ اعضائے رئیسہ بہت جلد معطل اور اپنا صحیح فعل کرنیکی قابلیت کھو بیٹھتے ہیں۔

یہ اسلام اور ہم مسلمانوں کے لیے سخت ذلت اور اہانت کی بات ہے کہ ہم مسلمان یا ہم میں کے اکثر افراد ہندو ساہوکاروں اور مہاجنوں کے سامنے اپنی اقتصادی ضروریات پوری کرنیکے لیے ہمیشہ ہاتھ پھیلائے رہیں۔ یہ کیسی اسلامی غیرت ہے کہ ان سب حالتوں کو دیکھتی ہے اور اسکے سکون اور اطمینان میں ذرا فرق نہیں آتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جو مسلمان روٹی کمانے کی اور مسلمانوں کو انکی اقتصادی غلامی سے چھڑانے کی کوشش کرتے انکی ان کوششوں کو استحسان کی نظر سے دیکھا جاتا نہ یہ کہ ان پر پیٹ اور معدہ کی پھبتیاں کسی جاتیں۔

معزبی تعلیم اور مغربی تعلیم یافتہ گروہ مغربی تعلیم اور مغربی تعلیم یافتہ گروہ کے خلاف مولانا نے اپنے مضامین کے پہلے مجموعہ میں بھی قلمی جہاد کیا تھا اور یہ مجموعہ بھی ایسے جہاد سے خالی نہیں ہے اور میں نے اپنے ان مضامین کی پہلی قسط میں بھی مولانا کے جہاد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی اور اب پھر مجبوراً کرتا ہوں۔ مغربی تعلیم اور مغربی تعلیم یافتہ گروہ مولانا کو ایک آنکھ نہیں بھاتے۔ اگرچہ اس دوسرے مجموعہ میں مغربی تعلیم اور مغربی تعلیم یافتہ گروہ کے خلاف لکھنے کے مواقع کم آئے ہیں مگر موجودہ مجموعہ بھی اس رنگ سے خالی نہیں ہے۔ چنانچہ مجموعہ زیر بحث کے صفحہ ۷ پر مولانا فرماتے ہیں:۔

"ایک صدی تک خوب پٹنے اور اخلاقی حیثیت سے تباہ ہو جانے کے بعد یہ راز ہم پر کھلا کہ تغیرات زمانہ کے سیلاب کا مقابلہ جامد چٹان بن کر نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد ہمارے دانشمندوں نے ہمیں ایک اور پالیسی کی تعلیم دی اور وہ یہ تھی کہ

"زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز"

ہم نے کہا آؤ اسی کو آزما دیکھیں شاید اپنے آپکو کچھ بدل کر ہم اس نئے ڈھانچہ میں ٹھیک بیٹھ سکیں۔ چنانچہ

پہلے ہم نے مغربی تعلیم کی طرف توجہ کی اور اپنے آپ کو زمانہ کی رو کے ساتھ بہنے کے لیے تیار کیا۔"

گویا مولانا کو مسلمانوں کے مغربی تعلیم کی طرف رجوع کرنے میں کوئی خیر کا پہلو سوائے شر کے نظر نہیں آتا۔ جہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان مغربی تعلیم کی طرف اپنے آپ کو زمانہ کی رو کے ساتھ بہانے کے لیے گئے وہاں یہ بھی تو زیادہ معقول وجوہ کی پر کہا جاسکتا ہے کہ مسلمان مغربی تعلیم کی طرف اس لیے گئے کہ مغرب نے پچھلی دو تین صدیوں میں، جبکہ ہم مسلمان خواب غفلت میں مبتلا تھے، جو نئے انکشافات کیے تھے، نئی نئی معلومات حاصل کی تھیں، نئی نئی ایجادات کی تھیں، اُن معلومات، اُن اسرار اور حکم سے ہم مسلمانوں کو بھی واقفیت حاصل ہو اور ان نئی معلومات کے ذریعہ سے ہم مسلمان بھی اپنے صدیوں کے جمود سے نکل کر سائنٹفک ایجادات اور انکشافات میں کچھ حصہ لینے کے قابل بنیں ؎[۱]۔

اسی صفحہ پر آگے چل کر مولانا فرماتے ہیں:۔

"مغربی تعلیم کے تجربہ سے کیا ثابت ہوا؟ یہ کہ جو ماحول ہم پر مسلط ہے اس میں سے محض ایک عنصر یعنی "تعلیم" کو ہم دوسرے عناصر سے الگ کرکے نہیں لے سکتے۔ دوسرے عناصر جنکے ساتھ اس عنصر کا غیر منفک

؎[۱] محض بحث کی خاطر ایسی باتیں کرنے سے کیا حاصل جنکی کمزوری سے خود قائل بھی واقف ہو؟ آج یہ کس سے پوشیدہ ہے کہ انگریزوں نے جو نظام تعلیم ہندوستان میں قائم کیا ہے وہ ہمارے لیے کسی طرح مفید نہیں؟ انہوں نے ہم کو سائنٹفک ایجادات و انکشافات میں حصہ لینے کے قابل بنانے کے لیے یہ نظام تعلیم قائم نہیں کیا ہے، بلکہ اپنی سلطنت کے خدام فراہم کرنے کے لیے کیا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو خود دیکھ لیجیے کہ ہم میں کلرک کتنے پیدا ہوئے اور سائنٹسٹ کتنے۔ کئی سال سے ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں جو کانوکیشن ایڈریس پڑھے جارہے ہیں، کاش کہ فاضل مضمون نگار انہی میں سے کسی کو پڑھ لیتے تو اس بحث میں اپنا وقت ضائع نہ کرتے۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مغربی تعلیم پر ہمارا اعتراض اس حیثیت سے نہیں ہے کہ یہ جدید علمی انکشافات اور ذہنی ترقیات سے ہم کو آشنا کرتی ہے۔ اعتراض دراصل اس حیثیت سے ہے کہ اس تعلیم کے لیے جو نظام سرکار سعادت آثار کی سرپرستی میں یہاں قائم ہوا ہے اس کا کوئی ربط ہماری تہذیب و مدنیت سے نہیں ہے، بلکہ وہ ہماری تہذیب سے بالکل مختلف ایک غلامانہ تہذیب کی بنیادیں استوار کرتی ہے۔ م

رابطہ ہے، خود بخود اسکے ساتھ آتے ہیں۔ زندگی کا ایک اور نقطۂ نظر، اخلاق کے کچھ دوسرے اصول، اشیاء کی قدر و قیمت مقرر کرنے کا کچھ دوسرا معیار، متمدن زندگی کے کچھ نرالے ڈھنگ، جو سب کے سب اسلام سے بالکل بیگانہ ہیں، اس ایک چیز (تعلیم) کو قبول کرتے ہی خواندہ و ناخواندہ آنے شروع ہو جاتے ہیں اور ان سب کے جمع ہو جانے سے مسلمان خود بخود نامسلمان بنتا چلا جاتا ہے۔"

یہاں بھی مولانا کو نئی تعلیم میں صرف ذم ہی کا پہلو نظر آتا ہے اسلئے ان کے نزدیک نئی تعلیم کے ساتھ جو دیگر عناصر مغربی زندگی کے ہم میں سرایت کر جاتے ہیں وہ شر کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتے۔ مولانا اور انکے بہت سے ہم خیال علمائے[18] کے نزدیک مغرب میں سوائے شر کے کوئی خیر کی بات ہے ہی نہیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ مغربی اقوام اپنے اخلاق اور اپنے اعمال کے لحاظ سے ایک مجموعہ اشرار ہیں اور ان میں کوئی اخلاقی خوبی نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ ہم مشرقی اقوام (جن میں مسلمان بھی شامل ہیں) اخلاقاً اور عملاً مغربی اقوام سے اعلیٰ اور ارفع ہیں۔ اگر ایسا ہے تو مولانا اور انکے ہم خیال بزرگوں نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ یہ اشرار کا مجموعہ ہم ابرار پر دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک کیونکر مسلط ہو گیا؟[19] کیا دنیا میں شر ہی کی فتح

[18] فاضل تنقید نگار اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ میں "گروہ علماء" میں سے ہوں، اور "مولوی" ہونے کی حیثیت سے جدید تعلیم اور جدید تعلیم یافتہ گروہ پر حملہ کر رہا ہوں۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے اور دونوں کوچوں کو خوب چل پھر کر دیکھا ہے۔ اپنی بصیرت کی بنا پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو۔ دونوں کی خامیوں پر میں نے آزادی کے ساتھ تنقید کی ہے، اسلیے کہ میرا کوئی خاص رشتہ کسی گروہ سے نہیں ہے۔ مگر جو لوگ خود کسی ایک گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کا جی چاہتا ہے کہ صرف انکے مخالف گروہ کی برائیاں ہی بیان کی جائیں، اور ان کے اپنے گروہ کے متعلق جب گفتگو کا موقع آئے تو منہ میں گھنگنیاں ڈال لی جائیں، یا اگر کچھ کہا بھی جائے تو صفائی پیش کرنے کے انداز میں۔ م

[19] یہ ایک عجیب بحث ہے، اور اس سے عجیب تر یہ ہے کہ اس بحث کو چھیڑنے کا موقع کتنا بہتر تلاش کیا گیا ہے۔ جس عبارت پر تنقید فرمائی گئی ہے اس میں تو یہ بیان کیا گیا تھا کہ ایک غلام قوم اپنے آقاؤں کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے کے لیے جب تیار ہو جاتی ہے تو اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ لیکن تنقید میں بحث یہ چھیڑ دی گئی کہ آقایان نامدار اشرار ہیں یا ابرار؟ اور اشرار ہیں تو وہ ہم ابرار پر غالب کیسے ہو گئے؟ میں حیران ہوں کہ یہ اشرار و ابرار کی تنقیح اس بحث میں پیدا کیسے ہو گئی۔ م

سے اور خیر ہمیشہ سرنگوں رہنے کے لیے ہے؟ اگرچہ خداوند عالم کا فرمان تو یہ ہے کہ "اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ"۔

اسیلیے لازم آیا کہ مغربی اقوام میں اگر برائیاں ہیں تو کچھ خوبیاں بھی ہیں اور اگر انکی خوبیاں ہماری خوبیوں سے زائد نہیں تو کم از کم کمتر بھی نہیں ہیں۔ اسیلیے اگر ہم مغربی تعلیم اور مغرب کے ماحول سے کچھ برائیاں حاصل کرسکتے ہیں تو کچھ خوبیاں بھی سیکھ سکتے ہیں۔ یہ ہماری خود اپنی اہلیت سے ہے کہ ہم خوبیاں سیکھیں یا محض برائیوں ہی میں کمال حاصل کریں۔ ہمارا عمل تو خذ ما صفی ودع ما کدر پر ہونا چاہیے۔ مغربی اقوام سے ہم جفاکشی، خود اعتمادی اور عزم و استقلال کا سبق حاصل کرسکتے ہیں۔ اپنے ذاتی نفع کو اپنے قومی نفع پر قربان کرنا سیکھ سکتے ہیں۔ آزادی رائے اور ذاتی اجتہاد کی نعمت حاصل کرسکتے ہیں۔ آپس میں اتحاد و اتفاق کا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ سب خود مسلمانوں کے بھولے ہوئے سبق ہیں، کبھی یہ سب سبق ہم کو از بر تھے۔ یہ امر واقعہ بھی نہیں ہے کہ مغربی تعلیم اور مغربی ماحول سے ہم نے برائیاں ہی برائیاں سیکھیں خوبیاں کچھ حاصل نہیں کیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں پر مثل دیگر مشرقی اقوام کے اگر صدیوں سے جمود طاری تھا (اور اس کا مولانا کو خود اعتراف ہے) اگر اب یہ ٹوٹا یا اس میں کمی آئی، اگر ہم میں بہ نسبت پہلے کے کچھ زیادہ آزادی رائے اور قوت اجتہاد پیدا ہوئی، اگر ہماری توہم پرستی کسی حد تک دور ہوئی، ہم میں جو شخصیت پرستی کی بیماری تھی اگر اس کے استبداد میں کچھ کمی آئی (مولانا مودودی صاحب بھی اسکے قائل ہیں) تو یہ مغربی تعلیم اور مغربی ماحول ہی کا نتیجہ ہے۔ آج کل جو سیاسی شورش سارے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور جس سے مسلمان باوجود اپنے صدیوں کے جمود کے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے، یہ بھی مغربی خیالات کی ملک میں نشر و اشاعت ہی کا نتیجہ ہے۔ پھر کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مغربی تعلیم اور مغربی ماحول محض شر ہی شر ہے اس میں خیر کا کوئی شائبہ نہیں ہے؟ اگر مغربی تعلیم کا سیاہ رخ ہم کو دکھلا کر ہم کو مغربی تعلیم سے روکا جاتا ہے تو ہم کو یہ بتایا جائے کہ ہم کو کس تعلیم کی طرف بلایا جاتا ہے؟ اُسی تعلیم کی طرف نا جس کی وجہ سے صدیوں سے ہم پر جمود کی حالت طاری تھی؟[20] مولانا کو خود تسلیم ہے کہ صدیوں سے ہم پر جمود طاری تھا (دیکھو

۲۰؎ جی نہیں۔ اس تعلیم کی طرف جس میں جمود کے بجائے حرکت اور غلامی کے بجائے آزادی ہو۔ اگر کوئی شخص غلامی کے لیے تیار کرنے والی اور غلامانہ اطوار پیدا کرنے والی تعلیم کی مخالفت کرے تو اس سے یہ کس طرح لازم آجاتا ہے کہ اسے پرانے جامد طرز تعلیم کا حامی سمجھ لیا جائے؟ کیا بس یہی دو راستے آپکے نقشے میں آتے ہیں، اور تیسرے کسی راستہ کا آپ تصور نہیں کرسکتے؟ حیرت یہ ہے کہ نواب صاحب مجھ سے یہ سوال کر رہے ہیں حالانکہ میں تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر اپنے خیالات جمادی الاولیٰ اور جمادی الاخریٰ ۵۳ھ کے ترجمان القرآن میں پیش کرچکا ہوں اور خود نواب صاحب ان مضامین کو ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ م

مقدمہ صفحہ ۱۶ سطر ۱۴) اس جمود کی اصلی وجہ اگر ہمارا وہ مروجہ طریقہ تعلیم نہ تھا تو کیا تھا جو ہم کو جملہ ایسے علوم سے جنکا تعلق تجربہ اور مشاہدہ سے ہو قریب قریب معترا رکھتا تھا اور جس کے تحت عمومی تعلیم اور تعلیم نسواں کا کوئی انتظام نہ کر کے مسلمان آبادی کے بہت بڑے حصہ کو علم کی دولت سے یکسر محروم رکھا گیا تھا؟ ہم ہندوستان کے مسلمانوں میں اس وقت جس قدر نقائص کمزوریاں اور خرابیاں ہیں اسکا ذمہ دار ایک غیر مسلم قوم کے غلبہ اور استیلاء کو قرار دیدیا جاتا ہے اور اس بات کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ اپنی کمزوریوں اور خرابیوں کے بڑی حد تک ہم خود اور ہمارا مروجہ طریقہ تعلیم ذمہ دار ہے " إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ " اگر ہندوستان میں ہم مسلمانوں کی معاشی اور دیگر کمزوریوں کا ذمہ دار ایک غیر مسلم قوم کا غلبہ اور استیلاء ہوتا تو ظاہر ہے کہ دیگر اسلامی ممالک میں مثل افغانستان، ایران، ترکی، اور عرب کے مسلمانوں کی حالت ہم ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت سے بدرجہا بہتر ہوتی - مگر کیا ایسا ہے؟ جو جمود کی حالت اب سے پچاس برس پہلے ہم ہندوستان کے مسلمانوں پر طاری تھی وہی حالت قریب قریب سارے عالم اسلام پر طاری تھی اور سارے عالم اسلامی کی یہ ردی حالت ایک ہی سبب کا نتیجہ تھی یعنی فقدان عمل، بیجا تقلید اور غلط طریقہ تعلیم -

اس بحث میں کلام کو کسی قدر طول ہو گیا مگر اس بحث میں اس قدر تفصیل کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ میرا یہ خیال ہے کہ مغربی تعلیم، مغرب کی ایجادات اور انکشافات اور مغرب کی ہر چیز کی طرف سے خواہ وہ کتنی ہی مفید کیوں نہ ہو مسلمانوں میں بیجا تعصب اور اجتناب پیدا کرنا مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہے - اس بیجا تعصب کی ایک چھوٹی سی مثال ذیل میں درج کرتا ہوں -

ناظرین کرام نے کچھ عرصہ ہوا اخبارات میں یہ خبر پڑھی ہوگی کہ لکھنؤ کے ایک اسلامی عربی مدرسہ کے طلباء نے اسٹرائک کر دی اور وہ عرصہ تک جاری رہی - یہ حضرات شیعہ کا مدرسہ ہے - اسٹرائک کی وجہ یہ تھی کہ طلبا کو انگریزی مدارس کی دیکھا دیکھی اس بات پر اصرار تھا کہ انکو فٹ بال کھیلنے کی اجازت دیجائے اور مدرسین و منتظمین مدرسہ محض اس وجہ سے کہ فٹ بال ایک مغرب سے آیا ہوا کھیل ہے ایسی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھے - اسی طرح ایک مولانا صاحب سے جو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے پڑھے ہوئے ہیں معلوم ہوا کہ جب وہ مدرسہ مذکور میں طالب علم تھے اس وقت وہ اور کچھ اور اس مدرسہ کے طلباء چھپ چھپ کے

ایک میدان میں فٹ بال کھیلا کرتے تھے - جب مدرسے کے مدرس اعلیٰ کو اسکی اطلاع ہوئی تو ایک مدرس صاحب اس کام پر مقرر کیے گئے کہ اس معاملہ کی تحقیقات کریں کہ آیا یہ بدعت طلبار میں جاری ہوگئی ہے یا نہیں - چنانچہ وہ بزرگ جانچ کرنیکے لیے اس میدان میں گئے - مگر لڑکوں نے اپنے مخبر تعینات کر رکھے تھے اسلیے مولانا کے میدان میں پہونچنے سے پیشتر لڑکے منتشر ہوچکے تھے -

اسی قسم کا بیجا تعصب ہے جس سے مسلمانوں کو زمانہ گذشتہ میں بھی نقصان پہونچا اور اب بھی پہونچ رہا ہے - بجائے اس کے کہ علمار خود تندرستی اور طلبار کی جسمانی حالت درست کرنیکا کوئی انتظام عربی مدارس میں کرتے، ایک کھیل کو جو لڑکوں میں پھرتی، چستی اور دوڑ دھوپ کی عادت پیدا کرتا ہے محض اسوجہ سے مردود قرار دیدینا کہ وہ مغرب سے آیا ہوا ہے نہایت بیجا ہے اور صریحاً اس حدیث نبوی کے خلاف ہے کہ اطلبوا الحکمۃ ولو کان بالصین - اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مغربی تعلیم جس ماحول میں دیجاتی ہے اس سے ہمارے عقائد پر برُا اثر ضرور پڑتا ہے - اسی لیے تو اس سے پہلے بھی عرض کیا گیا اور اب بھی عرض کیا جاتا ہے کہ عربی مدارس خود اپنے نصاب میں علوم جدیدہ کی تعلیم کو داخل کریں تاکہ علوم جدیدہ کی تعلیم ایسے ماحول میں دیجائے جو موجودہ مغربی تعلیم کے مضر اثرات سے پاک ہو - مغربی تعلیم کے جو اسلامی ادارہ ہیں ان میں دینی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے - اگر یہ انتظام ناقص ہے تو اسکی اصلاح کی کوشش کی جائے - ان مقاصد کے حصول کا ایک آسان ذریعہ یہ ہوسکتا ہے کہ عربی مدارس کے فارغ التحصیل طلبار میں سے ایک متعین تعداد ایک متعین مدت کے لیے مغربی تعلیم کے مسلم اداروں (مثلاً مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) میں علوم جدیدہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجی جائے - اور وہاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ عربی مدارس میں علوم جدیدہ کی تعلیم کی خدمت انجام دیں اور نیز مغربی تعلیم کے اسلامی اداروں کے لیے انہیں لوگوں میں سے مذہبی تعلیم کے لیے استادوں کا انتخاب کیا جائے - یہ تجویز کوئی ایسی ناقابل العمل تجویز نہیں ہے کہ اگر عربی مدارس کے ارباب حل وعقد اور مغربی تعلیم کے اسلامی اداروں کے منتظمین ایک جگہ جمع ہوکر اس کو عمل کا جامہ پہنانا چاہیں تو یہ عملی صورت اختیار نہ کرسکے - لیکن اگر ایک طرف مغربی تعلیم کے حامی اور دوسری طرف پرُانی تعلیم کے دلدادہ زعم باطل لیے بیٹھے رہیں کہ اپنی اپنی جگہ تعلیمی معاملات میں ہر ایک کا طریقہ کار کامل و اکمل ہے اور ہر قسم کے نقائص سے پاک ہے اور اس میں کسی ترمیم اور

اصلاح کی گنجائش نہیں ہے تو نہ تو مغربی تعلیم میں جو نقائص ہیں وہ دور ہو سکتے ہیں اور نہ پرانی تعلیم کی اور خامیوں سے وہ رفع ہو سکتی ہے ۔

مسلم لیگ کے بارے میں توضیح مسلک کی ضرورت | خیر یہ توضمنی بحثیں تھیں ۔ اب میں پھر اصلی بحث کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔ مولانا نے اپنے مضامین میں کانگریس کی شرکت کے خطرات کو پورے طور پر واضح کر دیا ہے ۔ مسلم لیگ کے متعلق سوائے اسکے کہ اسکو نسبتاً ایک چھوٹی بلا قرار دیا ہے[۱] ابھی تک کوئی صاف اظہار خیال نہیں فرمایا ہے ۔ ان کے مؤید اور ہم خیال مولانا منظور صاحب نعمانی نے البتہ اپنے سلسلۂ مضامین میں مسلم لیگ اور افراد مسلم لیگ پر کھلے حملے کئے ہیں[۲] جنکا کافی و شافی اور مسکت جواب میں اپنے ان مضامین کی دوسری قسط میں دے چکا ہوں اور جسکے مسکت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ باوجود میرے اصرار کے مولانا منظور صاحب نے میرے اس مضمون کو اپنے رسالہ "الفرقان" میں بالکلیہ شائع کرنے سے گریز فرمایا۔ مولانا مودودی صاحب نے چونکہ اب تک اُن وجوہ سے جنکی بنا پر موصوف کو مسلم لیگ سے اختلاف ہے بحث ہی نہیں کی اس لیے مولانا موصوف کے رفع شکوک کے لیے کچھ عرض نہیں کیا جا سکتا ۔ تاہم اس بات سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اس وقت سیاسی میدان میں کام کرنے والی سب سے بڑی اور سب سے وسیع مسلمانوں کی اگر کوئی منظم جماعت ہے، تو وہ مسلم لیگ ہے ۔ وہ جماعت جو ہندوستان کے ہر گوشہ میں پھیلی ہوئی ہے ، وہ جماعت جو سب سے زیادہ مسلمانوں کی نمائندگی کا دعویٰ کر سکتی ہے اور بجا طور پر کر سکتی ہے ، وہ جماعت جسکے لیے لبیک کی صدا اسوقت ہر حصہ ملک سے اُٹھ رہی ہے ۔ اگر اس وقت کانگریس کی کسی حد تک کوئی جماعت مدمقابل کہی جا سکتی ہے تو وہ مسلم لیگ ہی ہے ۔ یہاں تک کہ ان صوبوں میں بھی جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں مسلم لیگ کے نمائندوں نے اکثر مواقع پر کانگریس کے نمائندوں کو انتخاب کے وقت شکستیں دی ہیں ۔ کانگریس کو خود اس کا اعتراف ہے کیونکہ پچھلے سال جب کانگریس نے مسلمانوں سے مفاہمت کرنا چاہی تو مسلم لیگ ہی کو اپنا مخاطب بنایا ۔ جب یہ صورت ہے تو کیا ہر مسلمان کا یہ فرض نہیں ہے کہ مسلمانوں کی اس واحد

---

[۱] کانگریس کے مقابلہ میں نہیں بلکہ مسلمانوں کی اُن جماعتوں کے مقابلہ میں جو اس مرحلہ پر کانگریس کے ساتھ اشتراک عمل کر رہی ہیں ۔ م

[۲] بلاشبہ مولانا میرے ہم خیال ہیں، مگر کیا اپنے ہم خیالوں کی ہر بات کا جوابدہ مجھے ٹھیرایا جائیگا ؟ ۔ م

منظم جماعت کو قوی سے قوی تر بنائے تاکہ سیاسی میدان میں اس جماعت کی آواز وقیع سے وقیع تر ہو؟ برخلاف اس کے کیا یہ مسلمانوں کی کھلی ہوئی بدخواہی نہ ہوگی کہ مسلمانوں کی اس واحد منظم جماعت کی مخالفت کرکے اسکی ہوا خیزی کی جائے؟ مولانا مودودی صاحب اور ان جیسے دیگر اہل قلم اپنی تحریر اپنی تقریر اپنے زور قلم اور اپنی بے مثل قابلیت کے ذریعہ سے مسلم لیگ کو بہت کچھ قوت پہونچا سکتے ہیں۔ کیا یہ مسلمانوں کی بدقسمتی نہیں ہے کہ مولانا مودودی صاحب جیسے بزرگوں کا سب زور قلم مسلمانوں کی واحد منظم جماعت کو ایک بلا ثابت کرنے میں صرف ہو؟ اگر مسلمانوں کی سات آٹھ کروڑ آبادی مسلم لیگ کی پوری پوری تائید پر آمادہ ہو جائے تو مسلم لیگ کی آواز کو بھی اس سیاسی کشمکش کے زمانہ میں وہی وقعت حاصل ہو جائے جو کانگریس کو حاصل ہے اور پھر اس ہندوستان میں کوئی سیاسی گروہ ایسا نہیں ہو سکتا جو مسلم لیگ کی آواز پوری توجہ کے ساتھ نہ سُنے۔ مسلم لیگ اسکی مدعی نہیں ہے کہ اس میں نقائص اور خامیاں نہیں ہیں اور اب وہ فوق الاصلاح ہے۔ لہذا جن بزرگوں کو مسلم لیگ کے نقائص اور خامیوں کا احساس ہے، انکے لیے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ مسلم لیگ میں شرکت فرما کر اپنے اثر سے اس کی اصلاح کریں۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم کو اس سے مایوسی ہے کہ ہم مسلم لیگ میں شرکت کرکے اسکی اصلاح کرسکیں گے۔ یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔[۲۲] اگر آپ کانگریس اور مسلم لیگ کو چھوڑ کر اپنی کوئی الگ سیاسی

---

[۲۲] میرے نزدیک مسلم لیگ کی اصلی بدخواہی یہ ہے کہ جو لوگ علیحدہ رہ کر خاموشی کے ساتھ بالواسطہ طریقوں سے اسکے نقائص اور اسکی خامیوں کی اصلاح کے لیے کوشش کر رہے ہیں ان کو چھیڑ چھیڑ کر مجبور کیا جائے کہ اسکی خامیوں کو واشگاف بیان کریں۔ فاضل مضمون نگار شاید یہ سمجھتے ہیں کہ آدمی کے لیے کسی جماعت کے بارے میں دو ہی مسلک ممکن ہیں۔ یا تو اس کا حامی و مؤید بن جائے اور ہر سیاہ و سپید میں اسکی تائید کرے۔ یا نہیں تو اس سے لڑنے کے لیے خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور اسکے مقابلہ میں ایک دوسری جماعت کھڑی کردے۔ لیکن میں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان دو راستوں کے سوا ایک تیسرا راستہ بھی ہے جسے سلامتی پسند لوگ اختیار کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جب آپ جماعت میں ایسے نقائص پائیں جنکی موجودگی میں اس کے ساتھ وابستہ ہو جانا آپکے ضمیر کے خلاف ہو تو اس سے علیحدہ رہ کر فتنہ پیدا کیے بغیر اصلاح کی کوشش کیجیے۔ آپ جماعت میں شریک ہونگے تو آپ کو یا تو اصولی خرابیوں پر سکوت اختیار کرنا پڑیگا یا اندر رہ کر لڑنا ہوگا۔ پہلی صورت کو کوئی ایمان دار آدمی پسند نہیں کرسکتا۔ رہی دوسری صورت تو جب کہ لڑائی سے اصلاح کی توقع کم اور فتنہ کا خطرہ زیادہ ہو تو اس سے بھی اجتناب واجب ہے۔ لہذا سلامتی کا طریقہ یہی ہے کہ جن خرابیوں کی اصلاح مقصود ہو ان پر خیرخواہانہ تنقید کی جائے، اور عامۃ الناس میں اپنے خیالات کثرت کے ساتھ پھیلائے جائیں تا آنکہ ایک معتد بہ جماعت ان خیالات کی حامل ہو جائے اور بغیر کسی فتنہ کے وہ اصلاح ہو جائے جو مقصود ہے۔ م

جماعت بنانا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ آپ کا منتہائے نظر یہ ہوگا کہ آپ کل مسلمانوں کو یا کم از کم انکی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنائیں گے اگر میرا یہ قیاس صحیح ہے تو کون سی وجہ ہے کہ مسلم لیگ میں شرکت کر کے اسکے نقائص کے دور کرنے کی طرف سے آپکو مایوسی ہو؟ کیا کوئی معقول وجہ یہ باور کرنے کی ہو سکتی ہے کہ مسلم لیگ سے الگ رہ کر تو آپ مسلم لیگ کی اصلاح کر سکتے ہیں مگر اس میں شرکت کر کے ایسا نہیں کر سکتے؟ بہرحال حالات موجودہ میں مسلمانوں کی کوئی نئی پارٹی کھڑی کرنا مسلمانوں میں ایک نیا اختلاف اور افتراق پیدا کرنا ہے اور ایسا عمل مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کو بجائے نفع کے سخت نقصان پہنچانے والا ہے۔ اسلیے کیا میں یہ امید کر سکتا ہوں کہ مولانا مودودی صاحب اور انکے ہم خیال بزرگ آیندہ سے بجائے مسلمانوں کی ایک علحدہ سیاسی پارٹی کی بنیاد ڈالنے کے اپنی ساری قوت استدلال اور اپنا سارا زور قلم مسلم لیگ کی حمایت اور مسلم لیگ کو قوی سے قوی تر بنانے میں صرف کرینگے؟ وما علینا الا البلاغ۔

ہندو مسلم سوال کا واحد حل

یہ ایک قابل دید پمفلٹ ہے جس میں ہندوستان کے بین الاقوامی سوال پر مدبرانہ تبصرہ کر کے اس کا صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اردو، انگریزی دونوں زبانوں میں شائع کیا گیا ہے مفت منگائیے اور اپنے غیر مسلم دوستوں تک پہنچائیے۔

صرف محصولڈاک کیلیے تین پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیے اور جو حضرات اردو انگریزی دونوں نسخے منگانا چاہیں وہ پانچ پیسے کے ٹکٹ بھیجیں۔

دفتر رسالہ پیغام حق، تاجپورہ لاہور